کتاب پر تبصرہ

کتاب کا نام : سچ تو یہ ہے
مصنف : چودھری شجاعت حسین
ناشر : فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ
شہر : لاہور
سال اشاعت : ۲۰۱۸ء
صفحات : ۳۲۸
قیمت : ۹۹۵
تبصرہ نگار : ڈاکٹر فرح گل بقائی*

یہ کتاب خود نوشت ہے چودھری شجاعت حسین کی جنھوں نے سیاست میں کبھی سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور وزیراعظم کے منصب تک پہنچے۔ سرگزشت ہے چودھری پرویز الٰہی کی جنھوں نے احسن طریقے سے وزیراعلی پنجاب کے فرائض ادا کیے۔ تذکرہ ہے چودھری ظہور الٰہی کا جنھوں نے سیاست میں تادمِ حیات کلمۂ حق بلند کیا۔ بے انتہا مصائب سہے اسری کی سختیاں برداشت کیں۔

یہ کہانی ہے پاکستان کے ایک سیاسی خاندان کی جن کا تعلق گجرات کے ایک گاؤں ''نت وڑائچ'' سے ہے یہ گاؤں دریائے چناب کے مشرق میں واقع ہے۔ چودھری شجاعت کے پردادا چودھری حیات محمد خان صاحب کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ وہ ایک درویش صفت، علم پرور اور ادب دوست تھے مہمان نوازی کرنے میں فخر کرتے تھے اور مہمان نوازی کا سلسلہ

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، قائداعظم یونیورسٹی،اسلام آباد۔

اب تک چودھری خاندان میں جاری و ساری ہے۔ وہ فرماتے تھے اپنی اولاد سے دیکھو کسی کو کھانا کھلانے سے کوئی غریب نہیں ہو جاتا۔

چودھری شجاعت حسین ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو ''نت وڑائچ'' میں پیدا ہوئے۔ یہ تین بھائی اور چھ بہنیں ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی چودھری وجاہت حسین قومی اسمبلی کے رکن رہ چکے ہیں۔

چودھری پرویز الٰہی ان کے تایا زاد بھائی ہیں اور چودھری شجاعت اور ان کی آپس میں گہری دوستی ہے دونوں ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ ان کے دونوں چھوٹے بھائی چودھری جاوید الٰہی اور چودھری صباحت الٰہی کاروبار سے منسلک رہے۔ چودھری شجاعت کی اہلیہ چودھری پرویز الٰہی کی ہمشیرہ ہیں اس طرح چودھری پرویز الٰہی کی اہلیہ چودھری شجاعت کی ہمشیرہ ہیں۔

ان کے خاندان کا کاروبار شروع ہی سے ٹیکسٹائل سے وابستہ رہا۔ اسی طرح لیلن جو اب ''بریزے'' کہلاتی ہے اسی خاندان نے پہلی مرتبہ پاکستان میں متعارف کرائی۔ یہ ورائٹی مارکیٹ میں آئی تو اس کی مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے اور ان کے خاندان نے بھی خوب نفع کمایا۔ یہ پاور لومز چودھری منظور الٰہی جاپان سے لائے۔

یہ کتاب کل بیس ابواب پر مشتمل ہے اس کتاب کا آغاز مصنف نے اپنے والد مرحوم شہید ظہور الٰہی کے ذکر سے شروع کیا ہے اس کتاب کی تمہید سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے سیاست دان اس میدان پُر خار میں کس کی زد میں ہے۔ کہاں کہاں ان کو کیا کیا مسائل ہیں اور وہ کس طرح ان سے نبردآزماء ہو رہے ہیں۔

چودھری ظہور الٰہی کے گھر کی دیوار کا گرانا پھر ان کی قید واقعات کی تفصیل قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ فوجی حکومت کس طرح عام آدمی کی زندگی اجیرن کر دیتی ہے۔ اور اس کا اثر اس کی اولاد پر کیا مرتب ہوتا ہے۔ گو کہ چودھری شجاعت حسین اسے بڑے مثبت انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ کہ انہوں نے واقعات کی سنگینی سے نڈر ہو کر جینا سیکھا۔ یہ کہنا شاید اب آسان ہو مگر جس عمر کے حصے میں وہ تھے اس وقت یہ کسی قیامت

سے کم نہیں ہو گا۔

ان کے والد کو ''الذوالفقار'' نامی تنظیم کے رکن رزاق عرف جھرنا نے قتل کیا ان پر ہینڈ گرنیڈ پھینکا گیا راجہ ظفر الحق نے ظہور الٰہی کو تین روز پہلے اطلاع دے دی تھی کہ وہ الذوالفقار کے نشانے پر ہے۔ ان کی گاڑی میں اس وقت سابق چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین اور اہم اے رحمان ایڈووکیٹ ہمراہ تھے وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور ظہور الٰہی اگلی سیٹ پر۔ چودھری ظہور الٰہی دہشت گردی سے شہید ہونے والے پہلے سیاست دان تھے۔ ان کا ڈرائیور محمد نسیم بھی اسی حادثے کی نظر ہو گیا۔

چودھری شجاعت حسین نے اپنے خاندان کی سیاست میں سرکردگی کا ذکر کیا ہے۔ کس طرح گھر کی بچیاں جنرل سیٹ پر رکن قومی اسمبلی صوبائی اسمبلی بلدیاتی میں منتخب ہوئیں کامیاب ہوئیں۔

چودھری شجاعت حسین ایف سی کالج میں فرسٹ ائیر میں تھے تو طارق عزیز اور پرویز مشرف بھی ایف سی کالج کے اسٹوڈنٹس تھے ان کا ذکر کیا ہے۔ پر الیکشن کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ کس طرح الیکشن کے لیے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لیے امیدواروں اور ووٹر پر دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ یہ امر اب تک جار یہے اور اسے اب تو الیکشن کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ایوب خان کے دور میں دو مرتبہ ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۵ء میں الیکشن ہوئے اور ظہور الٰہی والد شجاعت حسین آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے۔ اس دور میں بے بنیاد سیاسی مقدمات اور گرفتاریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

تیسرے باب میں ۱۹۷۰ کے انتخابات کا جائزہ پیش کیا گیا۔ بھٹو کا چودھری خادان کی طرف رجوع کرنا اور انہیں پیپلز پارٹی کا رکن بننے کی دعوت دینا۔ ۱۹۷۰ء میں ظہور الٰہی والد شجاعت حسین مسلم لیگ کونسل کے رکن تھے اور ان کا انتخابی نشان لالٹین تھا۔ ۱۹۶۴ء میں جنرل ایوب خان کے خلاف صدارتی الیکشن میں محترمہ فاطمہ جناح کا انتخابی نشان بھی لالٹین تھا۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن کے بعد انتقال اقتدار میں تاخیر کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مشرقی

پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے عوامی لیگ جیت چکی تھی اصولی طور پر حکومت بنانے کا حق ان کا تھا۔ لیکن یہاں صدر یحییٰ کی خواہش تھی کہ وہ صدر کے عہدہ پر قائم رہے۔ بھٹو وزیراعظم سے کم کسی عہدہ کے لیے راضی نہیں ہو رہے تھے۔ ان کی اکثریت پنجاب اور سندھ میں تھی۔ ''لاڑکانہ پلان'' جو جنرل یحییٰ خان اور بھٹو کے درمیان لاڑکانہ میں طے پایا اس میں جنرل یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کا اجلاس جو ڈھاکہ میں منعقد ہونا تھے ملتوی کر دیا۔

جنرل یحییٰ خان، بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن کی ہٹ دھرمی کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا۔ مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن شروع ہونے کے بعد حالات مزید خراب ہو گئے۔ بھارت پہلے ہی گھات لگائے بیٹھا تھا موقع پاتے ہی وہ اس میں کود پڑا۔ راتوں رات بھارتی فوجیں بین الاقوامی سرحد عبور کر کے مشرقی پاکستان میں داخل ہوگئیں۔ یحییٰ خان قوم سے نشر تقریر میں بولتے رہے کہ ہم ہر محاذ پر مقابلہ کریں گے اور سرنڈر نہیں کریں گے جبکہ بقول چودھری شجاعت حسین وہ سرنڈر کر چکے تھے اور قوم سے جھوٹ بول رہے تھے۔

چوتھے باب میں مصنف ذوالفقار بھٹو کے دور حکومت کو زیر بحث لائے ہیں۔ بھٹو کی شخصیت کو بھی زیر موضوع لائے ہیں اور اپنے والد محترم اور بھٹو کی چپقلش کا بھی ذکر کیا ہے کبھی ظہور الٰہی صاحب کو اپنی ہی بھنس چرانے کا مقدمہ درج کر کے زیر حراست کیا گیا۔ کبھی عراقی اسلحہ کی برآمد کا کیس ان کے نام سے درج کر لیا۔ غرض بھٹو صاحب کے دور حکومت میں ان کے والد ظہور الٰہی زیر عتاب ہی رہے۔ چودھری شجاعت اور پرویز الٰہی بھی بھٹو دور میں زیر حراست رکھا گیا اور یہ ایک مہینہ پر محیط رہا۔

چودھری ظہور الٰہی نے تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس میں مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، علامہ یوسف بنوری اور دیگر علامہ شامل تھے۔ سیاست میں تھوڑی سی بھی دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس کتاب میں کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ اخبار پڑھنے والے اور سیاست سے شغف رکھنے والے ان باتوں سے واقف ہیں۔ پھر بھی اعادہ ہوا جائے اور وہ بھی ایسی شخصیت سے جو ان واقعات

میں حصہ ہو تو ان واقعات پر ثبت مہر لگ جاتی ہے۔ کہ یہ واقعات ایسے ہی ہوئے ہیں جیسے اس وقت کے اخبارات نے رپورٹ کیے۔

یہ کتاب پاکستان کے سیاسی سفر کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں میاں صاحب اور چودھری صاحبان کا ذکر مسلسل تکرار ہے۔ گو کہ چودھری صاحبان چودھری ظہور الٰہی کی سیاسی سوج بوجھ کی وجہ سے اپنا مقام ایوب خان کے دور میں پیدا کر چکی تھی۔ میاں صاحبان کا سرے سے کوئی سیاسی پس منظر نہیں تھا۔ ان کے والد گرامی نے صنعتی شعبہ میں ایک نام کمایا لیکن سیاست سے کوئی واضح تعلق نہ تھا۔

ان کی شخصیت کا ایک پہلو ہے کہ وہ بڑے لوگوں سے تعلق بنانے کی مہارت رکھتے تھے میاں صاحب کی سیاست ضیاء الحق کے دور میں چمکی ۱۹۷۵ء کے انتخابات کے بعد چودھریوں کا گروپ پنجاب اسمبلی میں نمایاں گروپ سامنے آیا۔ میاں نواز بھی اسمبلی میں منتخب ہو کر آئے لیکن ان کے ساتھ ممبران زیادہ نہ تھے۔ سوچ بچار ہو رہی تھی کہ طاقتور چیف منسٹر چنا جائے۔ چودھری کو گورنر ہاؤس بلایا گیا گورنر لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان کے ساتھ بریگیڈ (ر) قیوم بھی موجود تھے۔ بریگیڈیر قیوم کے میاں صاحبان سے قریبی فیملی تعلق بھی تھا گورنر نے کہا کہ چودھری برادر منسٹریاں لے لیں مگر چیف منسٹر اس نوجوان کو بننے دے جس کا نام محمد نواز شریف ہے۔ چودھری شجاعت نے لکھا نہیں ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ جنرل ضیاء الحق کی آئین میں تبدیلیوں کی بدولت اس وقت وزیراعظم کا چناؤ صدر مملکت کی صوابدید پر تھا اور وزرائے اعلیٰ کا چناؤ متعلقہ گورنروں کے اختیار میں تھا چودھری صاحبان حقیقت پسند تھے جب گورنر صاحب نے اپنی رائے ظاہر کی تو اسی حقیقت پسندی کے تحت چودھری صاحبان ان کی بات مان گئے اور نواز شریف پنجاب کے وزیراعلیٰ بن گئے۔

سیاست دان اور دسترخوان

چودھری شجاعت حسین نے سیاست دانوں کے کھانے پینے کے شوق کے حوالے سے دل چسپ باتیں تحریر کی ہیں۔ غوث بخش بزنجو کو ان کے گھر کی مکس چائے بہت پسند تھی

آتے ہی کہتے ''بھئی وہ گڑ بڑ والی چائے پلاؤ'' لال مرچ کے وہ شیدائی تھے۔ لال مرچ کے دو چمچے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نگل جاتے تھے۔

اکبر بگٹی اس کے برعکس سبز مرچ پسند کرتے تھے دوپہر کے کھانے میں اکثر دیکھا کہ دس بارہ بڑے سائز کی نہایت کڑوی ہری مرچیں کچی چبا گئے۔

مولانا مفتی محمود (مولانا فضل الرحمٰن کی والد) شوگر کے مریض تھے۔ شجاعت حسین صاحب نے ان کو دیکھا کہ کئی بار ایک بڑی پلیٹ میں آم ہیں آم کی گٹھلی نکال کر اس میں آئس کریم ڈال کر دیوار کی طرف منہ کر کے کھا رہے ہیں تا کہ کوئی ٹوک نہ دے کہ شوگر کی وجہ سے اتنا میٹھا ان کے لیے اچھا نہیں۔

مشرف دور میں یہ واقعہ بڑا مشہور ہوا کہ میاں شریف اور مشرف میں تناؤ کی صورت حال پیدا ہوئی۔ تو میاں شریف (نواز شریف کے والد) نے مشرف اور ان کی بیگم کو جاتی امراء کھانے پہ مدعو کیا اور میاں محمد نواز شریف نے جنرل مشرف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے دونوں بیٹوں کو بتا دیا ہے کہ جنرل مشرف بھی میرا بیٹا ہے چودھری شجاعت لکھتے ہیں کہ جب ہم میایوں سے ملنے گئے تو میاں شریف نے کہا کہ میں نے نواز شریف سے کہا ہے کہ اس جنرل سے جلد چھٹکارا حاصل کرو کیونکہ اس کی آنکھیں دیکھی ہیں اور وہ خطرناک ہیں۔ سیاست میں تشکر نام کی کوئی چیز نہیں چڑھتے سورج ہی سب کچھ مانا جاتا ہے سایوں میں کون جانا پسند کرتا ہے؟

چودھریوں کا سیاسی عروج جنرل مشرف کے دور میں آیا وہ ان پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ ۲۰۰۲ء کے انتخابات کے بعد وزیراعظم کا چناؤ جنرل مشرف نے چودھریوں پر چھوڑ دیا اور انہوں نے کسی عجیب منطق کے تحت یہ منصب میر ظفر اللہ جمالی کا انتخاب کیا جنرل مشرف جلد ہی ظفر اللہ جمالی سے اکتا گئے کیونکہ ان کی رائے میں ظفر اللہ جمالی سست آدمی تھے اور صحیح کام نہیں کر سکتے تھے جمالی کا انتخاب چودھریوں کی سیاسی غلطی تھی اس کے نتیجے میں مشرف اپنی مرضی سے شوکت عزیز کو وزیراعظم بنا دیا چودھری پہلا فیصلہ ٹھیک کرتے تو قوم شوکت عزیز کی فنکاری کی کاوشوں کی وجہ سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر یہ

تنازعہ ہمیشہ کے لیے طے کر دیا۔

اس کتاب میں انہوں اپنے اور خیبر پختون خواہ کے اپنے اور اپنے اہل خانہ کی خان عبدالولی خان کے والد المعروف باچا خان کا بہت خلوص سے ذکر کیا وہ سترہ سات بعد لاہور آئے تو انہوں نے ان کے گھر قیام کیا۔

یہ کتاب ہر شخص جو پاکستان کی سیاست میں دلچسپی رکھتا ہے پڑھنی چاہیے۔ سچ تو یہ ہے میں مصنف نے بہت کچھ سچ سچ بیان کر دیا ہے سچ کا فائدہ ہی ہوتا ہے کیونکہ پاکستان کے بہی خوا سچ کی بنیاد پر آئندہ کا لائحہ عمل بنا سکتے ہیں جس کی اساس حقیقت پر مبنی ہو۔

سچ بولنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس سچ کے بہاؤ میں اپنی ذات اور اپنی پارٹی کے حوالے سے بھی انصاف کے پلڑے مضبوطی سے تھامے رکھنا عام شخص کے بس کی بات نہیں مثلاً چودھری صاحب لکھتے ہیں کہ مسلم لیگ نون ضیاء الحق کی کوششوں سے تخلق ہوئی اور مسلم لیگ ق کا سہارا پرویز مشرف کے سر جاتا ہے۔ یہ بات گو کہ سیاست سے دلچسپی رکھنے والوں کو معلوم ہو مگر اس کا اعتراف کرنا بڑے حوصلے کی بات ہے۔

لال مسجد کا سانحہ جس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے اثرات کسی نہ کسی شکل میں اب تک نمودار ہو رہے ہیں۔ بقول چودھری شجاعت حسین کے ان کی اور مختلف افراد کی کوششوں سے یہ معاملہ طے پا گیا تھا مگر پرویز مشرف نے اس میں منفی کردار ادا کیا اور مسجد پر گولوں اور گن فار کی بوچھاڑ کر دی۔اسی طرح بگٹی کیس میں کچھ لوگوں کی عناد نے اکبر بگٹی کو مروا دیا۔

پاکستان کی سیاست کو جانچنے اور پرکھنے والے ان واقعات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ پاکستان کے تمام اداروں کو پاکستان کے آئین کی پاسداری کرنی پڑے گی۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں یرغمال بنا لیے جاتے ہیں اے پی ایس پشاور کا واقعہ لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

بیشک پاکستان پچھلے کئی عشروں سے حالاتِ جنگ میں ہے اور جنگ کی صورت حال

میں ایسے واقعات پیش آنا ایک عام بات ہے پھر بھی قوم و ملک کی بقا اور استحکام انصاف اور عدل کی روایت کو قائم رکھنے میں ہے۔ حالات کیسے بھی ہوں عام شہری کی جان و مال کی حفاظت پولیس، فوج اور تحفظ دینے والوں اداروں کی ذمہ داری ہے۔ اگر افراد اپنے ملک میں محفوظ نہیں تو ملک کا کیا فائدہ جیسے اگر کوئی شخص اپنے گھر میں عدم تحفظ کا شکار ہے تو اس گھر کے وجود کا کیا فائدہ۔

یہ کتاب نہایت دلچسپ اور سیاست کی سمجھ بوجھ کا ایک خزانہ ہے۔ سیاست دانوں اور فوج کا تعلق اس کتاب میں واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ یہ تقریباً وہی تعلق جو ایک انگریزی کارٹون ٹام اینڈ جیزی کا ہے۔ ایک دوسرے کے مخالف بھی ہیں اور ایک دوسرے سے لگاؤ بھی ہے اور ایک دوسرے کے بغیر بات بھی نہیں بنتی۔

سیاست نام ہے امکانات کا۔ سیاست دان کا کام ہے کہ وہ مثبت امکانات کو اپنی قوم کے لیے ثبت کرتا چلا جائے۔

جیسے چودھری شجاعت حسین اور ان کے تایازاد بھائی چودھری پرویز الٰہی نے گرات کی سرزمین کے لیے بالخصوص اور پنجاب کے لیے بالعموم خدمات انجام دیں۔ جیسے گجرات یونیورسٹی، میڈیکل کالج گجرات، سرگودھا اور کوریا کے ساتھ مل کر ڈائیوو کا موٹروے پراجیکٹ یہ چودھری شجاعت کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

کچھ منفی اثرات بھی دیکھنے میں آئے جیسے لال مسجد کا قصہ جہاں یتیم بچوں بچیوں کا بڑی لے دردی سے خود بہا چودھری شجاعت حسین کو انخلاء کا ایک لائحہ عمل طے کر کے آئے پھر آپس نہ جانے کیا ہوا کہ بمباری کا سلسلہ شروع ہو گیا فائرنگ ہوئی اور سارے شہر کی فضا اپنی ہی وہشت اور دہشت سے کانپ اٹھی۔

پھر ایسا سلسلہ چلا جس میں اے پی ایس سکول کے معصوم بچے بھی شہید ہوئے کئی مدرسوں کے بچے جو وزیرستان اور دوسرے علاقوں میں تھے شہید ہوئے۔ شہادتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہمارے ہر شہر اور تقریباً سب خطوں میں ظہور پذیر ہوا۔

ملک و قوم کی تقدیر جب ضمیر فروش لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے تو پھر اس قسم

کے حادثات کا رونما ہونا ایک معمول کی بات بن جاتی ہے یہی کچھ ہماری قوم کے ساتھ ہوا ہر روز ہر شخص جان ہتھیلی پر گھر سے لے کر نکلتا۔ مائیں حسرت سے بچوں کی طرف دیکھتیں۔ ہر طرف موت کا فرشتہ بم کی دکان سجائے ہماری مسجدوں بازاروں اور سڑکوں پر رقصاء تھا۔ زندگی اور موت کا رقص کبھی شدت اختیار کر جاتا اور کبھی مدہم ......میں ہمارے اردگرد منڈلاتا رہتا۔

امریکہ کی ایک فون کال اور ''ڈو مورDo More'' کی رٹ ہمارے حکمرانوں کے اوسان خطا ہو جانے کے لیے کافی تھے۔ یہ کتاب جنرل پرویز مشرف کے دور تک احاطہ کرتی ہے۔

بھٹو دور میں چودھری برادران پر سختی رہی۔ البتہ ضیاء الحق دورِ حکومت میں ان کے حالات میں تبدیلی آئی۔ ۱۹۸۳ء میں جنرل ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ قائم کی تو چودھری شجاعت حسین کو اس کا رکن نامزد کیا۔ چودھری صاحب کا اقتدار کے ایوانوں میں یہ پہلا قدم تھا۔

نواز شریف ان کی ملاقات پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں ہوئی جب ان کے والد چودھری ظہور الٰہی الیکشن میں کھڑے ہوئے۔ وہ ان کی الیکشن مہم کے لیے کچھ فنڈز دینا چاہتے تھے ان کے والد ظہور الٰہی نے فنڈز لینے سے انکار کر دیا اور نواز شریف کا والد کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اپنے صاحب زادہ کو رقم دے کر بھیجا تھا۔

سیاسی سفر کا آغاز

قومی سیاسی سفر کا آغاز ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۹ء یہ ایوب خان کا دورِ حکومت تھا اور ظہور الٰہی صاحب عملی سیاست میں اپنی اننگ کا آغاز کر چکے تھے۔ اس دور سے پہلے وہ گجرات کے ڈسٹرکٹ لیول پر متحرک تھے۔ بطور چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ گجرات وہ عوام الناس کی خدمت بجالاتے رہے۔

دلچسپ باتیں

یہ کتاب جہاں سیاست کے داؤ پیچ اور انتخابات میں کی جانے والے کرتبوں کا ذکر

کیا ہے وہاں سیاست دانوں کی کھانے پینے میں دلچسپی یا عدم دلچسپی کو بھی زیرِقلم لائے ہیں۔ چودھری شجاعت کے گھر سیاسی لوگوں کا آنا جانا، کھانا پینا اور ٹھہرنا ایک عام سی بات تھی۔ لہٰذا ان کو علم تھا کہ کون سے سیاست دان کھانے میں کیا پسند کرتے ہیں اور کون کھانے پینے میں‌سادگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر باچا خان نسیم ولی خان کھانے میں سادگی کو اختیار کرتے تھے وہ ون ڈش کو اپنانے پر زور دیتے۔ جبکہ دوسرے مہمان انواع کھانے کی طرف راغب تھے۔ جس پر باچا خان ان کی سرزنش بھی کر دیتے کہ اپنے گھر میں فرمائش انواع قسم کے کھانے بنواؤ۔

مفتی محمود جو فضل الرحمٰن کے والد تھے ان کو شوگر کا مرض تھا۔ مگر آموں سے ان کی دلچسپی اور اس میں مزید مٹھاس کا اہتمام کرتے تھے کہ آم کی گٹھلی نکال کر اس میں آئسکریم بھر کر چمچے سے کھاتے۔ ان کو لوگوں کی مداخلت پسند نہ تھی اس لیے دیوار کی طرف منہ کر کے کھاتے تھے۔ کہ کہیں کوئی ان کو شوگر ہونے کی وجہ سے کھانے سے منع نہ کر دے۔

چودھری شجاعت حسین کا خیال ہے کہ اگر نواز شریف پرویز مشرف کے جہاز کا رخ تبدیل کرانے کی کوشش نہ کرتے تو ان کی حکومت بچ سکتی تھی۔